فتوی اوراس کی اہمیت، آداب اور تقاضے۔ایک تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر مفتی احمد خان
ریسرچ اسکالر، شعبۂ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی، کراچی

Abstract

Religious scholars have imposed many sanctions and limitations for Fatwa and Mufti,such as fatwa would be given gently and with justice rather than in time of stress and anxiety.On fatwa,relationship,emotions and animosity must not be affected.Sluggishness and lacking of concentration should be avoided.Indeed,the answer should be according to the question and must be lucent and comprehensible to the listener.Its the responsibility of Mufti to clarify the complications and doubts of the questioner.No arguments, quotes,maxims and sub-sections of the answer should be circumvented.Reference to the context from various books should be clearly written as a rational.The closeness and company of an expert teacher is indispensable for Muftis practical life,mutual counseling,courtesy,habits,seriousness and patience.

In spite of all these limitations,a Mufti is a messenger of commandments of Allah,so that the consent of the king (Hakim-I-waqt) is not necessary for a Mufti a give Fatwa ,though , the king can forbid him giving Fatwa after discussing it with reliable religious scholars.In this state giving Fatwa is not legitimate for a Mufti.Religious scholars have approved that if a Mufti is fulfilling all the requirements and the king of the time maliciously forbids him,in these circumstances the obedience of the king in not obligatory.Similarly the theme of a Hadith is; in the disobedience of the Creator,the obedience of the creatures is not necessary because in the forbiddance of the king the Sharai commandments and the reformations of the people become fulite.

فتویٰ کی لغوی واصطلاحی تعریف

فتویٰ لغت میں کسی بھی سوال کے جواب کو کہتے ہیں، خواہ احکام شرعیہ سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ دنیاوی معاملات سے متعلق ہو۔(۱) جبکہ اصطلاح میں ادلہ شرعیہ کے مقتضیٰ کے مطابق مسئلہ دینیہ کے بارے میں اﷲ تعالیٰ کے حکم کی خبر دینا اس شخص کو جو اس سے متعلق پوچھے ایسے امر میں جو بطور عموم سب کو شامل ہو، نہ کے الزامی طور پر۔(۲)

افتاء کا منصب ایک عظیم الشان منصب ہے، کیونکہ مفتی احکامِ خداوندی کا ترجمان، اﷲ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ، نبی کی طرح پیغاماتِ خداوندی کا مخبر اور انبیاء کرام علیہم السّلام کا حقیقی وارث ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"العلماء ورثة الأنبياء،وإنّ الأنبياء لم يورّثوا ديناراً ولا درهماً وإنّما ورّثوا العلم،فمن أخذبه فقد أخذ بحظّ وافر"......(۳)

فتویٰ کے کام کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ سنتِ الٰہی ہے، اﷲ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی طرف بھی کی ہے......

نیز امام المفتیین، محبوب ربّ العالمین، سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ بھی زندگی بھر اس کام میں مصروفِ عمل رہے، کتبِ احادیث آپ کے فتاویٰ سے بھری پڑی ہیں......(۴)

افتاء کا منصب اس وجہ سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ دین کے تمام شعبوں کی بنسبت اس کا فائدہ نقد ظاہر ہو جاتا ہے، کیونکہ جب تحریر لکھی جائے تو معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کتنے لوگ پڑھیں گے؟ اور جو پڑھیں گے وہ عمل بھی کریں گے یا نہیں؟ اسی طرح وعظ اور تقریر کرنے والے کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی بات سے متاثر ہو کر اس کی بات پر عمل پیرا ہونگے بھی یا نہیں؟ اس کے برخلاف مفتی کے پاس عموماً وہی شخص مسئلہ پوچھتا ہے یا سوال بھیجتا ہے جسے دین کی طلب ہوتی ہے اور وہ مفتی کے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے، اور عام طور سے اس پر عمل کر بھی لیتا ہے۔ اس لئے اس کا فائدہ، اگرچہ بظاہر محدود ہی کیوں نہ ہو، لیکن نقد اور متعین ہے۔

نازک اور پُرخطر منصب

افتا جتنا عظیم الشان اور بلند کام ہے اتنا ہی پرخطر، مشکل اور نازک فن ہے، مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: فقہ (افتا) کا فن بڑا ہی نازک ہے، میں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا جتنا اس سے ڈرتا ہوں، جب کوئی مسئلہ سامنے آئے تو دُور دُور کے احتمالات ذہن میں آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ میں اب فتاویٰ میں دوسروں کا حوالہ دیتا ہوں......اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے......فرمایا: میں بڑا ڈرتا ہوں، مسئلہ بتانے سے کانپ جاتا ہوں، اس قدر کوئی کام مشکل معلوم نہیں ہوتا۔(۵)

حضرت عطا رحمہ اللہ جو کہ بہت بڑے تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ:

أدركت أقواماً يسأل أحدهم عن الشّيء فيتكلّم وهو يرعد

میں نے بہت سے لوگوں کو پایا کہ ان سے جب کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ کانپ جاتے

تھے۔(۶)

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ سے بڑا مفتی اور فقیہ کون ہوسکتا ہے؟ لیکن افتا کا معاملہ ان پر بھی بھاری ہے، فرماتے ہیں: اگر علم کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔

علامہ انور شاہ کشمیری صاحب فرماتے ہیں:

''علوم اسلامیہ میں فقہ سب سے زیادہ مشکل ہے، اور میں ہر علم میں اپنی رائے رکھتا ہوں سوائے فقہ کے، کہ اس کے اجتہادی مسائل میں تفقہ کرنا میری استطاعت وقدرت سے باہر ہے۔''(۷)

افتا......اطمینان اور سکون کے وقت

فتویٰ بھی ہمیشہ اطمینانِ قلب اور اعتدالِ طبع کے وقت دینا چاہیے، جب دل جمعی، سکونِ قلب، اور طبیعت میں انبساط ہو، ذہنی انتشار نہ ہو، مثلاً بھوک اور پیاس، نیند اور کسی تکلیف و بیماری، پریشانی اور غم وغیرہ کے اوقات میں فتویٰ نہ دیا جائے، کیونکہ ان اوقات میں عموماً یکسوئی اور اطمینان نہیں ہوتا اور غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔(۸)

تشدد اور سختی

فتویٰ میں خیرخواہی کا پہلو مدِنظر ہونا چاہیے، تشدد اور سختی نہیں ہونی چاہیے، یہ انتہائی مضر ہے، کیونکہ تشدد سے نفرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ جب کہ اللہ بزرگ و برتر بھی بندے کے ساتھ آسانی اور یسر کا معاملہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يريد الله بكم اليسر ولا يريدبكم العسر (۹)

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

يسّروا ولا تعسّروا بشّروا ولا تنفّروا.(۱۰)

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

ولا تشـدّدوا، فيشـدّدالـلّـه عـليكم، فإنّ قوماًشدّدوا على أنفسهم، فشدّدعليهم، فتلك بقاياهم في الصوامع.(۱۱)

اس سلسلے میں ایک صحابیٔ رسول کا واقعہ بھی مشہور ہے کہ: سفر میں زخمی ہوگئے، پھر اچانک احتلام ہوگیا، اپنے ساتھیوں سے تیمّم کی رخصت کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے پانی کی موجودگی کی وجہ سے عدمِ تیمّم کا فتویٰ دیا، لہٰذا انھوں نے غسل کیا جس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہوگئی۔ جب آپ ﷺ کو اطلاع کی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

قتـلـوه. قتـلـهم الله. ألاسألوا إذ لم يعلموا؛ فإنما شفاء العيّ السوال، إنما كان يكفيه أن يتيمم ويُعصّب على جرحه خرقة. (۱۲)

دیکھئے! اگرچہ صحابہ کرامؓ نے اپنی طرف سے صحیح جواب دیا کہ پانی موجود تھا، لیکن حقیقتاً یہ جواب تشدد اور سختی پر مبنی تھا، جس کی

وجہ سے آپ ﷺ نے زجراً اور تہدیداً اتنی بڑی وعید سنائی۔اس حدیث کی تشریح ملا علی قاریؒ نے اسی طرح کی ہے۔(۱۳)

اسی طرح بنی اسرائیل کا ایک قصہ بھی مشہور ہے کہ: ایک شخص نے ننانوے قتل کئے تھے، راہب سے اپنی توبہ کے بارے میں دریافت کیا، راہب نے نفی میں جواب دیا، تو قاتل نے راہب کو قتل کر کے سو کا عدد پورا کرلیا۔(۱۴) قتل کا المیہ راہب کے تشدد پر مبنی فتویٰ کی وجہ سے پیش آیا، یہ اس کی جہالت کا نتیجہ تھا، وگرنہ تشدد تو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

اعتدال اور نرمی

فتویٰ دیتے وقت مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کر کے اعتدال، نرمی اور وسعت کا پہلو اختیار کرنا چاہیے، جو کہ آسان اور سہل ہو اور جس میں خلق خدا کا نفع اور امت کی سہولت ہو، اس شرط کے ساتھ کہ اس میں کوئی محظور نہ پایا جائے، اللہ کی رضا اور خوشنودی ہر ہر پہلو میں مدنظر ہو۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک کا ایلاء کیا، انتیس دنوں کے بعد بالا خانہ سے اتر آئے، صحابہ کرامؓ کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا: إن الشهر يكون تسعا و عشرين کہ مہینہ کبھی انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے، تو آپ نے اپنے احباب اور اہل بیت سے جدائی کے ایک دن کو بھی شاق سمجھا، اس لیے سہل اور آسان صورت کو اختیار فرمایا۔(۱۵)

فتویٰ جذباتیت سے خالی محض فقہی حکم پر مشتمل ہو

یہ بھی خیال رہے کہ فتویٰ کی عبارت حکمِ شرعی اور تعبیرِ فقہی پر مشتمل ہو، جذباتی الفاظ، یا جو الفاظ سب وشتم کی غمازی کرتے ہوں، اس طرح کے الفاظ فتویٰ کے اصول اور وقار کے خلاف ہیں مثلاً: کسی سے کفر صادر ہو جائے تو اس کو کافر کہنا، فسق صادر ہو تو فاسق کہنا، اسی طرح زندیق، ملحد وغیرہ کہنا، یہ شرعی حکم اور فقہی تعبیر ہے، لیکن جذبات میں آکر خبیث، نالائق، گدھا وغیرہ جیسے الفاظ کہنا یہ حکم شرعی نہیں اور نہ ہی فتویٰ کے الفاظ ہیں، اس طرح کے الفاظ فتوی میں نہ لکھے جائیں؛ اسی طرح کسی کی تعریف وتوصیف میں لمبے چوڑے الفاظ والقاب بھی فتویٰ کا کام نہیں۔

فتوی میں عداوت یا قرابت مؤثر نہ ہو

فتویٰ ہمیشہ غیر جانبدارانہ ہونا چاہیے، اللہ کو حاضر ناظر جان کر اور جنت وجہنم کو سامنے رکھ کر في ما بينه و بين الله جو حق سمجھ میں آئے، غیر جانبدارانہ اسلوب کے ساتھ بغیر کسی خارجی اثر ودباؤ کے بیان کر دیا جائے، فتوے کے اندر نہ تو قرابت، تعلق اور رشتہ داری موثر ہونی چاہیے، اور نہ ہی کسی قسم کی عداوت۔(۱۶) کبھی فتویٰ میں عداوت موثر ہونے کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ عداوت انسان کو غیر ضروری الفاظ کے استعمال پر آمادہ کرتی ہے، فتویٰ تو صحیح دیا یعنی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کہا، لیکن دل میں چونکہ دوسرے کی کدورت یا عداوت ہے، اس کی وجہ سے اسلوبِ بیان ایسا نہ رہا جیسا کہ ایک غیر جانبدار آدمی کا ہونا چاہیے تھا، اور اس پر جتنا زور دینا چاہیے تھا اس سے کہیں زیادہ دے دیا۔

عداوت کا ایک دوسرا خفی ترین اثر یہ ہوتا ہے، کہ تحقیق اور تثبت میں کمی پیدا ہو جاتی ہے، جتنی تحقیق ہونی چاہیے اتنی نہیں ہوتی، چونکہ دماغ میں پہلے سے اس کے لیے برائی بسی ہوتی ہے، اب جونہی کوئی قول یا عبارت ملی جواب لکھ دیا، مزید تحقیق کی زحمت

نہیں کی، اورفتوی دیدیا۔

کبھی عداوت کا منشا کوئی ذاتی یا شخصی کدورت نہیں ہوتی بلکہ اسکا منشا بھی دین ہی ہوتا ہے، جیسے اہلِ باطل، اب ان کا کوئی مسئلہ آجائے اس کی تاویل بھی ممکن ہو، یا نرم الفاظ بھی کافی ہوں لیکن تاویل نہ کی یا سخت انداز اپنایا تو یہ عداوت کی جھلک آگئی، یہ مناسب نہیں۔

افتامیں تساہل اورتسامح نہ ہو

فتوی میں محض رضائے الٰہی اورطلبِ حق پیش نظر ہو، اور یہ کہ احکام خداوندی اس کی مخلوق تک صحیح صحیح پہنچ جائیں، نہ غفلت، تسامح، اغماض اوررواداری کا اس میں دخل ہواور نہ ہی رخصت وجواز کے پہلو کی تلاش نہ مستفتی کی رضا جوئی، اورحیلہ سازی مطمح نظر ہو، اگر خدانخواستہ ذرا بھی لغزش ہوئی تو آیات کا استھزاء، دین میں استخفاف، اسلامی اقدار کی پامالی اورمعصیت پر جرأت بڑھ جائے گی، لہٰذا اختلافی مسائل میں اپنی حسب منشاء بلادلیل کسی قول کو ترجیح نہ دی جائے، ورنہ اتباع نفس ہوگا جو کہ حرام ہے۔(۱۷)

جواب عام فہم اورمختصر ہو

جواب دیتے وقت واضح، سلیس، عام فہم انداز اورآسان الفاظ کا چناؤ بھی انتہائی اہم اورضروری امر ہے، اس بات کا استحضار ہو کہ مضمون نہیں لکھا جارہا ہے کہ تاکیداورزور پیدا کرنے کے لیے زیادہ مسجع عبارت، مترادف الفاظ اورہم معنی جملے لکھے جائیں، بلکہ یہ فتوی ہے، اس میں ہر ہر لفظ جچا تلا اورقید ہونا چاہیے، البتہ عبارت پر کشش، معتدل اورمناسب ہونی چاہیے۔(۱۸)

مخاطب کی فہم ودانش کے مطابق بات کی جائے

ہر مسئلہ ہر جگہ بیان کرنے کا نہیں ہوتا، اس لیے مسئلہ بیان کرتے وقت مخاطبین کا خیال رکھا جائے ''کلّمو النّاس علی قدرعقولهم ''اوران کے فہم، عقل ودانش کے اعتبار سے کلام کرنا چاہیے، ایسی بات نہ کی جائے جوان کے دائرہ فہم سے باہر ہواور وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں، لہٰذا اگر سائل قاصرالفہم اورغبی وبلید قسم کا آدمی ہے، تواس کے سامنے علمی اوردقیق مسائل نہ بیان کرنے چاہئیں، امام بخاریؒ نے حضرت علیؓ کا فرمان نقل فرمایا ہے کہ:

حدّثوا النّاس بما يعرفون، أتحبّون أن يكذب اللّٰه ورسوله؟.

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

''لوگوں کو (دین کی) وہی باتیں بتاؤ جن کو وہ سمجھ سکتے ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اوراس کے رسول جھٹلائے جائیں؟''(۱۹)

متبادل

چونکہ عالم اورمفتی صرف فتویٰ جاری کرنے والانہیں ہوتا کہ وہ صرف اتنا کہہ دے کہ فلاں کام ناجائز اورحرام ہے، بلکہ بحیثیت داعی اس کے فرائض میں یہ چیز داخل ہے کہ وہ اس کام کو ناجائز اورحرام کہنے کے بعد یہ بھی بتائے کہ اس کا متبادل حلال طریقہ کیا ہے۔ وہ متبادل قابل عمل بھی ہونا چاہیے اورشریعت کے احکام کے مطابق بھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم میں

مذکور ہے کہ جب ان کے پاس قید خانے میں بادشاہ کا پیغام پہنچا، اور خواب کی تعبیر ان سے پوچھی گئی، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر تو بعد میں بتلائی کہ سات سال کا قحط آنے والا ہے، لیکن اس قحط سے نجات حاصل کرنے کا راستہ پہلے بتادیا، چنانچہ فرمایا کہ:

فما حصدتم فذروه في سنبله إلّا قليلاً ممّا تأكلون (٢٠)

اس آیت سے یہ استنباط کیا گیا ہے کہ داعی حق صرف حرام کو حرام کہہ دینے پر اکتفانہ کرے، یا صرف کسی مصیبت کو بیان کرنے پر اکتفانہ کرے کہ یہ مصیبت آنے والی ہے۔ بلکہ اپنے امکان کی حد تک اس سے نکلنے کا راستہ بھی بتائے۔(٢١)

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ جہاں شریعت کے اصل حکم میں ردوبدل، تراش خراش، کتر وبیونت اور اصل حکم سے اعراض لازم نہ آتا ہو تو وہاں ''نفاذ دون جواز'' کے اصول کے مطابق اور امکانی حد تک متبادل کی سوچ کارآمد ہوسکتی ہے بصورتِ دیگر محظور لازم آئیگا جو کہ صحیح نہیں۔

منشأ اشکال

سائل کے سوال اور اشکال کی وجہ کو اچھی طرح سمجھ کر پورا اور واضح جواب دینا چاہئے، مبہم اور گنجلک نہ ہو، جس سے مستفتی کے ذہن میں خلجان ہو اور وہ حیران و پریشان ہوجائے، بلکہ ایسا جواب ہو کہ سائل کی مکمل تشفی ہوجائے اور منشأ اشکال بالکل ختم ہوجائے؛ لہٰذا اصل جواب کے ساتھ ایسی چیزوں کی وضاحت بھی کردینی چاہیے۔(٢٢)

جواب میں اختلافِ اقوال اور متعدد روایتیں

عوام الناس کے استفتاء میں اختلافِ اقوال اور متعدد روایتیں نہیں لکھنی چاہئیں، کیونکہ اس سے ایک تو مستفتی کو جس قول میں آسانی اور سہولت ہوگی اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے گا، جس سے اتباعِ نفس اور تتبع رخص کا دروازہ کھلے گا جو کہ مذموم ہے، نیز مستفتی پریشان ہوجائے گا اور شاید یہ فیصلہ نہ کرسکے کہ کس قول پر عمل کروں۔ لہٰذا قطعی جواب دینا چاہیے، تا کہ مستفتی تشویش میں مبتلا نہ ہو اور یکسوئی واطمینان سے عمل کرسکے۔(٢٣)

تشقیق کے ساتھ جواب نہ دیا جائے

مفتی کو چاہیے کہ تشقیق (یعنی اگر صورت یہ ہو تو حکم یہ ہے اور یہ ہو تو حکم یہ ہے) سے جواب نہ دے بلکہ جواب دینے سے پہلے مستفتی سے تنقیح کراکے مطلوبہ صورت کو متعین کرے، کیونکہ اگر بغیر تنقیح کے تشقیق کے طور پر جواب دیا تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوگا کہ مستفتی اصل حقیقت کو چھوڑ کر اپنے حق میں مفید شق کو اختیار کرے گا، جس سے فتویٰ کا مقصدِ حقیقی فوت ہوجائے گا۔ نیز مختلف شقیں بنا کر جواب دینے سے بعض اوقات شقوں کا جواب مختلط ہوجاتا ہے، جس سے ایک سادہ لوح سائل اپنے مقصد کی بات معلوم کرنے میں تشویش کا شکار ہوجاتا ہے۔

صریح جزئیہ

جواب ہمیشہ جزئیات سے دینا چاہیے، اور صریح جزئیہ کا ملنا، محنت، مطالعہ، جانفشانی اور ہمت وچستی سے تلاش کرنے پر

موقوف ہے۔ چنانچہ حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں:

إنما علی المفتي حکایة النقل الصریح کما صرحوا به.(۲۴)

صریح جزئیہ بھی متعدد کتب سے نقل کیا جائے

کبھی جزئیہ دیکھ کر جواب لکھنے میں بھی غلطی ہو جاتی ہے، جب ایک ہی کتاب میں جزئیہ دیکھ کر لکھ دیا جائے، اس لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ وہ جزئیہ بھی متعدد کتب سے دیکھ کر لکھے، انشاء اللہ تعالیٰ پھر غلطی نہ ہوگی۔(۲۵)

تتبع حِیَل

حیلہ کی اجازت فقط مجبوری میں ہے، کہ آدمی کمزور اور قاصر ہو، اصل چیز کی بالکل استطاعت نہ ہو اور وہ حیلہ بھی اغراض شریعت کے لیے مبطل نہ ہو، بلکہ اغراض شرع میں معین ہو، لیکن خالص حیلوں اور رخصت کے درپے ہونا یا ایسا حیلہ اختیار کرنا کہ جس سے حرام کو حلال کیا جا سکے، کسی واجب کا اسقاط ہو یہ ہرگز جائز نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یوم السبت میں مچھلی کا شکار حرام قرار دیا، لیکن انہوں نے حیلہ کر کے شکار کی صورتیں نکال لیں، اس پر اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوا۔(۲۶)

مشورہ

فتویٰ کو حتمی شکل دینے سے پہلے دوسرے اہل علم اور ارباب فتاویٰ سے مشورہ بھی ضرور کرنا چاہیے۔

اس کی ایک اہم وجہ تو اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے، کہ باوجود اس کے کہ رسول تو براہِ راست اللہ سے ہدایات لیتا ہے، اور فہم و فراست میں بھی رسول سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے، پھر بھی آپ ﷺ کو مشورہ کا حکم دیا گیا:

وشاورهم في الأمر فإذا عزمت فتوکل علی الله، إن الله یحب المتوکّلین (۲۷)

وأمرهم شوری بینهم (۲۸)

فرما کر مومن کی مدح و ثناء بیان کی گئی۔

آپ ﷺ نے مشورے کو کامیابی اور سعادت کی کنجی قرار دیا: **ما سعد أحد برأیه وما شقي عن مشورة.(۲۹)**

مشورہ کرنے والے کو نقصان، پشیمان اور پریشان نہ ہونے کی ضمانت دی گئی: **ما خاب من استخار ما ندم من استشار.(۳۰)**

حضور اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو وصیت فرمائی:

استشر فإنّ المستشیر مُعانٌ والمستشار مؤتمنٌ.(۳۱)

ماہر استاد کی صحبت اور عملی تربیت

صرف مسائل کو یاد کر لینا اور دلائل کا ازبر ہونا فتویٰ دینے کے لیے کافی نہیں، بلکہ جب تک کسی صاحبِ فن، معتبر و ماہر استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کیا ہو، اور ان کی نگرانی میں فتویٰ کی عملی تربیت اور تمرین نہ کی ہو، اس وقت تک وہ اس منصبِ جلیل کے لائق نہیں اور نہ ہی اس کے قابل ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ بن سکے۔

علامہ شامیؒ نے اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: محض مسائل اور دلائل کا یاد کرنا کافی نہیں، بلکہ کسی ماہر استاد کی صحبت ضروری ہے(۳۲) صاحب منیۃ المفتی نے اصحابِ مذہب کی تمام کتابوں کے یاد کر لینے کو بھی ناکافی قرار دیا ہے۔(۳۳)

تفطن، بیدار مغزی اور ہوشیاری

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ذی فہم، بیدار مغز، ہوشیار ہو، تاکہ وہ سائل کے سوال کو خوب سمجھے، اس کے تمام پہلوؤں پر باریک بینی کے ساتھ غور وخوض کرے اور نقطۃ الغور کو متعین کرے نیز یہ بھی معلوم کرے کہ واقعی وہ طالب حق ہے یا نہیں، اور پھر حالات کو مدنظر رکھ کر ایسا جواب لکھے جو پُر اثر ہو، اس سے مخاطب کی مراد بھی پوری ہو جائے اور کوئی فتوی کو غلط مقصد کے لیے استعمال بھی نہ کر سکے۔

خوش خُلقی اور صبر

مفتی کو سائل کے ساتھ بشاشتِ طبع، خوش خلقی اور خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا چاہیے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''**خالق الناس بخلق حسن** ''(۳۴) حضرت حسن بصریؒ سے خلق حسن کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: ''**ھو السخاء والعفو والإحتمال**''۔(۳۵)

لہٰذا مفتی کو چاہیے کہ مستفتی کی درشتی کی پرواہ نہ کرے، اس کی لاعلمی اور کم فہمی کی وجہ سے طویل بیان اور جاہلانہ انداز پر ناراض نہ ہو، بلکہ احسن طریقہ اور اطمینان سے سوال کے ضروری حصے کو سمجھنے کی کوشش کرے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہی حکم دیا ہے:

خذ العفو وامر بالعرف وأعرض عن الجاھلین.(۳۶)

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ایسے وقت میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ متحضر رہنا چاہیے.....محراب سے پھلانگ...... عبادت کا دن تھا...... یہ لوگ غیر اصولی طریقہ سے بلا اجازت...... پھر پوچھنے کا انداز بھی بالکل غیر مہذب......لیکن صبر وتحمل سے کام لیا، نہ ان کی بے قاعدگی پر تنبیہ کی اور نہ سزا دی اور نہ ہی ان کی بے ادبی اور تکلیف پر عتاب اور ملامت کا معاملہ فرمایا۔(۳۷) ہاں! تربیت کے لیے اگر تھوڑی سختی، تنبیہ وتوبیخ کی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

لباس اور وضع قطع

مفتی کو چاہیے کہ اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتے ہوئے اپنا لباس اچھا اور صاف ستھرا رکھے تاکہ آنے والا اچھا تاثر لے کر جائے، ایسے نہ ہو کہ جسم سے بدبو آ رہی ہو، بکھرے بال، کپڑے پراگندہ ہوں۔ چنانچہ علامہ قاضی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اپنے ظاہر حال کی اصلاح کی کوشش بھی کرنی چاہیے، اور ہر ایسی چیز سے اجتناب کرنا چاہیے جو کہ دین، منصب اور مقام کو بدزیب اور معیوب کر دے، کیونکہ لوگوں کی نظریں ان کی طرف مرکوز ہوتی ہیں اور انہی کے قول وعمل کی اقتدا واتباع کرتے ہیں۔(۳۸)

خود اعتمادی

مفتی کو چاہیے کہ جب کوئی موقف اختیار کرے تو مضبوط فقہی دلائل، مکمل شرح صدر، خود اعتمادی اور رائے کی پختگی کے

ساتھ علی وجہ البصیرۃ اختیار کرے، مزاج میں انفعالیت نہ ہو، اور جب ایک موقف اختیار کرلے پھر اس میں تذبذب کا شکار نہ ہو، اس لیے کہ جب خود اس کو اپنے موقف پر اعتماد اور شرح صدر نہ ہو تو مخاطب اس سے ایک فیصلہ کن پہلو کیسے اختیار کر سکے گا۔ نیز اس کو بھی اللہ کی رحمت اور نصرت سمجھے، اور گھمنڈ تکبر میں مبتلا نہ ہو، مفتی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہر سوال کا جواب دے، اگر کسی سوال کے جواب کے بارے میں شرح صدر نہ ہو، تو صاف کہہ دے کہ مجھے اس کے متعلق علم نہیں ہے۔ ہاں جب جواب دے تو خود اعتمادی کے ساتھ دے، اس میں تذبذب اور تزلزل کا شکار نہ ہو۔

مزاج اور مردم شناسی

مفتی کے اندر لوگوں کی معرفت اور پہچان بھی ہونی چاہیے، ان کے طریقۂ واردات، مکروفریب، اندازِ خطاب، بول چال، عرف اوران کے کلام کی باریکیوں سے بھی واقفیت ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ انسان کو جب تک مخاطب کے انداز خطاب، مزاج اور عرف سے واقفیت نہ ہو اس وقت تک اس کی بات کا جواب کما حقہٗ نہیں دے سکتا۔ اس واسطے مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مزاج و مردم شناس ہو، تا کہ مستفتی کے سوال کا جواب مکمل شرح صدر کے ساتھ اور علی وجہ البصیرۃ دے سکے۔

عرف وعادت سے واقفیت

ایک عالم دین کے لیے جس طرح قرآن وسنت کے احکام سے واقف ہونا ضروری ہے، اسی طرح اس کے لیے زمانہ کا عرف وعادت اور اس کی راہ ورسم، لوگوں کے طرزِ زندگی، ان کی معاشرت، معاشی معاملات اور مزاج و مذاق سے بھی واقف ہونا ضروری ہے۔ آپ ﷺ کے شمائل میں بھی یہ جملہ نمایاں طور پر مذکور ہیں کہ" آپ ﷺ لوگوں سے ان کے (مروّج) معاملات کے بارے میں پوچھا کرتے تھے:

كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يسئل عما في النّاس. (۳۹)

نیز تأبیرِ نخل کا واقعہ کتب احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اولاً تو تلقیح یعنی نر کھجور کے خوشے کو مادہ میں لگانے سے منع فرمایا، لیکن پھر جب پھل کم آنے لگے اور یہ صورتحال آپ ﷺ کے سامنے آئی تو آپ ﷺ نے دوبارہ اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

أنتم أعلم بأمر دنياكم''. (۴۰)

فقہائے کرام نے تو اہل زمانہ اور عرفِ مروج نہ جاننے والے کو جاہل قرار دیا ہے:

من لم يعرف بأهل زمانه فهو جاهل .... من جهل بأهل زمانه فهو جاهل. (۴۱)

علامہ ابن نجیمؒ نے عرف وعادت کی اصل حضور ﷺ کے فرمان "**ما راٰه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن**" کو قرار دیتے ہوئے فقہائے کرام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عادت وعرف کی وجہ سے لفظ کی حقیقت کو بھی چھوڑا جا سکتا ہے۔ (۴۲)

فتویٰ کون جاری کرسکتا ہے، حاکمِ وقت، اس کا نائب یا کوئی غیر

فتویٰ اصلاً اگرچہ منصبِ حکومت ہے، لیکن یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ مفتی احکام خداوندی کا مخبر ہے، وہ مخلوق تک خالق کا

پیغام پہنچانے والا ہے،لہذ اس کے لئے علم ودیگر چند صفات ہونا تو ضروری ہیں،لیکن حاکم کا حکم اور اجازت ضروری نہیں۔چنانچہ شرح المھذب میں علامہ نووی فرماتے ہیں''مفتی کے لئے مسلمان، عادل ،مکلّف، مضبوط نظر وفکر ،استنباطِ صحیحہ کا ملکہ رکھنے والا اور حاضر باش ہونا ضروری ہے اور قضائے خاص یعنی تحکیم وغیرہ میں بھی حاکم کی اجازت ضروری نہیں۔البتہ قضائے عام خالص منصب حکومت اسلامی ہے۔

منصبِ افتااور حاکمِ وقت

البتہ حاکم وقت مفتیوں کے احوال کی چھان بین کرسکتا ہے، تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس منصب کے لائق کون ہے، نیز یہ چھان بین بھی قابلِ اعتماد علمائے وقت کے واسطے سے کرے۔(۴۳)

تحقیق کے بعد منع کردے تو

حاکم وقت تفتیش وتحقیق کے بعد اگر کسی مفتی کو فتوی دینے سے منع کردے تو پھر مفتی کو فتوی دینا جائز نہیں، اگر فتوی دیا تو گنہگار ہوگا۔(۴۴)

اگر حاکم ظلماً روک دے تو

اگر مفتی ان تمام صفات وشرائط پر پورا اترتا ہے جو کہ ایک مفتی میں ہونی چاہئے پھر بھی امیر، حاکم منع کردیتا ہے محض ظلماً منع کرتا ہے تو یہ درست نہیں، اس کا اعتبار نہیں، اس لئے کہ حاکم کی اطاعت ان چیزوں میں ضروری ہے جن میں اللہ تعالی کی اطاعت ہو، معصیت اور اللہ کی نافرمانی میں اس کی اطاعت نہ صرف واجب نہیں بلکہ گناہ ہے، چونکہ حاکم کے منع کرنے میں کتمان علم (علم کا چھپانا) لازم آتا ہے، جو کہ قرآن وحدیث کی رو سے منع ہے، نیز لوگوں کے مصالح اور شرعی احکام کا فوت ہونا لازم آتا ہے، چنانچہ **الاختصاص القضائی، تبیین الحقائق**، اور فتاوی خیریہ میں ہے کہ''کوئی فاسق، فاجر، ظالم حاکم اس طرح کا حکم جاری کردے تو یہ حکم شرعاً نافذ نہیں۔(۴۵)

حواشی

۱۔المصباح فی رسم المفتی و مناهج الافتاء،۱۶/۱،ط:ماریہ اکیڈمی کراچی

۲۔المصباح فی رسم المفتی و مناهج الافتاء ،۱۶/۱،ط:ماریہ اکادمی کراچی،فیض القدیر علی الجامع الصغیر،العلامۃ محمد عبدالرؤف المناوی:۳۰۰/۱،رقم الحدیث:۱۸۳،ط:نزار مصطفیٰ الباز۔الفروق،ابوالمظفر اسعد بن محمد النیسابوری،التوفی:۵۷۰ھ:۵۳/۴،ط :عالم الکتب)

۳۔ترمذی،ابوعیسی محمد الترمذی التوفی:۲۷۹ھ،کتاب العلم،باب فضل الفقہ علی العبادۃ،رقم:۲۶۸۲

۴۔الموافقات فی اصول الشریعۃ،ابراھیم بن موسی المالکی الشاطبی التوفی:۷۹۰ھ:۸۶۷/۴،دارا الکتب

۵۔تحفۃ العلماء،بحوالہ حسن العزیز،اشرف علی تھانوی،التوفی ۱۳۶۲ھ:۱۷۴/۲،ط:تالیفات اشرفیہ،۱۴۲۳ھ

۶۔آداب الفتوی للنووی،محی الدین یحی النووی التوفی:۶۷۶ھ،ص:۱۳

۷۔ملفوظات کشمیری،الشیخ محمد انور الکشمیری الھندی التوفی:۱۳۵۲ھ:۲۴۸

۸۔البحر الرائق،زین الدین ابن نجیم التوفی:۹۷۰ھ: ۴۵۰/۶، رشیدیہ کوئٹہ.آداب الفتوی للنووی،محی الدین یحی النووی التوفی : ۶۷۶ھ ، دارالفکر بیروت،ص:۳۷

۹۔البقرۃ:۱۸۵

۱۰۔صحیح البخاري،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاري،التوفی:۲۵۶ھ:کتاب العلم:۱۶/۱،ط:قدیمی کتب خانہ

۱۱۔سنن ابوداؤد،ابوداؤد سلیمان السجستاني،التوفی:۲۷۵ھ،رقم:۴۹۰۴،ط:دارالسلام ریاض

۱۲۔مشکوۃ المصابیح،محمد بن عبداللہ الطبر یزی:۵۴/۱،۱۴۲۴ھ،دارالکتب العلمیۃ بیروت

۱۳۔مرقاۃ المفاتیح،علی بن سلطان محمد القاری التوفی:۱۰۱۴ھ:۸۹/۲،مکتبہ رشیدیہ

۱۴۔مشکوۃ المصابیح،محمد بن عبداللہ الطبر یزی،دارالکتب العلمیۃ بیروت،ص۲۰۳

۱۵۔أعلام الموقعین،ابن قیم الجوزیہ:۲۶۸/۴،ط:دارالکتب العلمیۃ بیروت

۱۶۔آداب الفتوی للنووی،محي الدین یحي النووي التوفي:۶۷۶ھ،دارالفکر بیروت،ص۱۸

۱۷۔البحرالرائق،زین الدین ابن نجیم التوفی:۹۷۰ھ:۴۵۰/۶، رشیدیہ.کوئٹہ.آداب الفتوی للنووی،محی الدین یحی النووی التوفی: ۶۷۶ھ، دارالفکر بیروت،ص۳۶

۱۸۔آداب الفتوی للنووی،محی الدین یحی النووی التوفی:۶۷۶ھ،.ط:دارالفکر بیروت،ص۳۶

۱۹۔صحیح البخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری،التوفی:۲۵۶ھ:کتاب العلم،باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراھیۃ أن لا یفھموا:۲۴/۱،ط:قدیمی

۲۰۔سورۃ یوسف:۴۷

۲۱۔صحیح مسلم،ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیري النیشابوري التوفي:۲۶۱ھ،کتاب الإمارۃ:۲۶۴/۲،ط:ایچ ایم سعید

۲۲۔أعلام الموقعین عن رب العالمین،ابن قیم الجوزیہ: ۲۳۶/۴،دارالکتب العلمیہ بیروت۔آداب الفتویٰ للنووی،محی الدین یحی النووی التوفی : ۶۷۶ھ،.ط:دارالفکر بیروت،ص۴۵

۲۳۔آداب الفتویٰ للنووی،محی الدین یحی النووی التوفی:۶۷۶ھ،ص:۴۴

۲۴۔شرح الحموی علی الاشباہ،احمد بن محمد الحموی المصری التوفی:۱۰۳۸ھ:۲۷۹/۱

۲۵۔تحفۃ العلماء،اشرف علی تھانوی،:۲/۲۶۳،۲۶۴،۲۶۴ادارہ تالیفات اشرفیہ،،ط:تالیفات اشرفیہ،۱۴۲۳ھ

۲۶۔بقرۃ:۶۵،۶۶،روح المعانی،ابوالفضل محمود بن عبداللہ الآلوسی:۱/۲۸۳،داراحیاء التراث العربی،الطبعۃ الرابعۃ:۱۴۰۵ھ

۲۷۔آل عمران:۱۵۹

۲۸۔شوریٰ:۳۸

۲۹۔الجامع الصغیر،ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی المتوفی:۱۸۹:۲/۳۱،الناشر عالم الکتب،۱۴۰۶ھ

۳۰۔المعجم الأوسط،ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی:۳۶۰،ص:۶۶۳۳

۳۱۔جامع الاحادیث،جلال الدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر السیوطی المتوفی ۱۱۹:۹/۴۰۵

۳۲۔رسائل ابن عابدین،ابن عابدین الشامی المتوفی:۱۲۵۲ھ،۲/۱۲۹،ط:سھیل اکیڈمی لاہور

۳۳۔شرح عقود رسم المفتی،محمد امین بن عابدین الشامی المتوفی:۱۲۵۲ھ،الطبعۃ الرابعۃ،۱۴۳۴ھ،ایچ ایم سعید،ص۱۹۶

۳۵۔مسندامام احمد بن حنبل،حدیث معاذ بن جبل،۶/۳۰۰،مؤسسۃ الرسالۃ،الطبعۃ الثانیۃ:۱۴۲۰ھ

۳۶۔تنبیہ المغترین للشعرانی،ص:۱۳۵

۳۶۔أعراف:۱۹۹

۳۷۔روح المعاني،ابوالفضل محمود بن عبداللہ الآلوسی،:۹/۱۴۷،،داراحیاء التراث العربی،الطبعۃ الرابعۃ:۱۴۰۵ھ

۳۸۔حاشیۃ الإحکام،ص:۲۵۳۔ایضاً

۳۹۔السنن الکبری للبیھقي،ابوبکر احمد بن الحسین البھیقی المتوفی:۴۵۸ھ:رقم:۱۳۶۶۶۵،دارالکتب العلمیہ بیروت،۱۴۲۴ھ

۴۰۔صحیح مسلم،ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشابوری المتوفی۲۶۱ھ:۲/۲۶۴،،ایچ ایم سعید

۴۱۔شرح عقود،محمد امین بن عابدین الشامی المتوفی:۱۲۵۲ھ،ص:۲۰۰،الطبعۃ الرابعۃ،۱۴۳۴ھ،ایچ ایم سعید

۱۴۲۔لأشباہ والنظائر،،زین الدین ابن نجیم المتوفی:۹۷۰ھ:۱/۲۷،دارالفکر بیروت

۴۳۔شرح المھذب،۱/۷۰،ط:دارالفکر بیروت

۴۴۔الجامع لأحکام القرآن،ابوعبداللہ محمد الانصاری القرطبی المتوفی:۶۷۱:۳/۱۸۱،ط:داراحیاء تراث العربی بیروت

۴۵۔الاختصاص القضائی،ط:رشیدیہ،وکذافي التبیین،عثمان بن علی الزیلعی الحنفی المتوفی:۷۴۳:۵/۸۲،ط:دارالکتب العلمیۃ بیروت،ص۵۰۱